ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی
اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی
کشمیر یونیورسٹی سرینگر۔

عصری یورپی اقوام کی استعماریت اور فکر اقبالؒ

........ایک مطالعہ........

علامہ اقبالؒ (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) نے اس دور پر آشوب میں شعور کی آنکھ کھولی جب نہ صرف پورا برصغیر بلکہ نصف سے زیادہ دنیا میں انگریز استعمار کی تہذیبی، تمدنی اور فکری یلغار شدّت سے جاری تھی۔ اُس وقت پورا برصغیر برطانی استعمار کا براہ راست غلام تھا۔ نہ صرف برصغیر بلکہ تمام مشرق پر اس کی گرفت مضبوطی سے قائم تھی اور اسکی حریصانہ نظریں تمام عالم پر جمی ہوئی تھیں۔ دراصل یہ سب نتیجہ تھا مسلم اقوام کے داخلی انتشار اور آپسی سر پھٹول کا مسلم اقوام آج کی طرح اُس وقت بھی خود اپنے ملی اتحاد کے شعور کو مجروح کرنے پر تلی ہوئی ہیں اس لئے قومی تعصب، لسانی منافرت اور مسالکی اختلافات آج کی طرح ملت اسلامیہ کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر رہے تھے۔ وطنیت کا تصور عام تھا اور دینداری میں فقط ظاہرداری کے رویئے کو فروغ حاصل تھا۔ پورا عالم اسلام گویا عالم پیری سے گذر رہا تھا۔

علامی اقبالؒ جیسے متبحر دانشور اور متحرک وجود رکھنے والے ملت اسلامیہ کے

غمخوار، یہ سب کچھ اپنی رگِ جاں میں محسوس کر کے تڑپ رہے تھے۔ کیونکہ مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات، نتائج اور اُن کے جارح عزائم سے آپ پوری طرح آگاہ تھے۔ اس سیلاب بے تمیزی کا انھیں شعوری ادراک حاصل ہو چکا تھا اس لئے اس آگ میں جل کر اس کی اذیت ناکیوں کو روح کی گہرائیوں میں محسوس کرتے ہوئے وہ چیخ اٹھے

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

لہذا علامہ نے ایک مضبوط لائحہ عمل کے تحت تہذیب مغرب پر بھرپور انداز سے علمی انتقاد کا فریضہ انجام دیا۔ انہوں نے مغرب زدہ مسلماں اقوام کو مغربی استعمار سے نبرد آزما ہونے کا شعور سکھایا کیونکہ مشرق میں اسی فرنگی تہذیبی جارحیت کی وجہ سے الحاد اور لادینیت کے اثرات نے مشرق کا وقار بُری طرح پامال کیا تھا۔ علامہ اقبال نے اس ساری صورت حال کا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے پہلے مرض کی تشخیص کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ قُرونِ وسطیٰ کا تصوف (Medieval Mysticism) حال کا ملحدانہ سوشلزم اور قومی ونسلی امتیازات زبوں حال اور پراگندہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا کسی بھی طور نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جہاں اپنی پیامی شاعری میں پیرایہ بدل بدل کر تمام عالم انسانیت کو اس کرب سے نجات دلانے کی کوشش جاری رکھیں وہاں اپنی اعلیٰ انگریزی نثری فلسفیانہ تصنیف فکری اسلامی کی تشکیل جدید یعنی "The Reconstruction of Religious thought in Islam" میں واشگاف انداز سے مغربی استعمار کو یہ علمی چیلنج پیش کیا کہ:۔

اقبالؒ کے درج بالا انگریزی اقتباس سے یہی مترشح ہوتی ہے۔ ''انسانوں کے تمام سیاسی، اقتصادی، سماجی، اخلاقی اور ذہنی امراض کا مداوا مذہب ہی سے ہوسکتا ہے۔ اِنسانوں کے اندر اُمید، احترام اور باہمی ہمدردی کے جذبات بیدار کرنے کے لئے مذہب بے حد اہم ہے''[۱]۔ خودی یا خودداری کی تعمیر و تکمیل اور اجتماعی بہتری کا خواب مذہبی بیداری کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا کیونکہ اپنی گونا گوں ذمہ داریوں سے احسن طریق سے ہم عہدہ برآ تب ہی ہوسکتے ہیں جب ہم دنیا کو راحت کدہ بنانے کی خاطر اپنے من میں ڈوب کر پہلے اپنا احتساب نفس کریں۔ جب تک ہم اپنے باطن کو نہیں سنواریں گے اُس وقت تک ہم اپنے دامن کو مسرت اور سکون سے قطعاً نہیں بھر سکیں گے۔ یہ اقبال کا پیغام تھا اُس وقت کے استعماری قوتوں کے لئے جنھوں نے اپنے نشے میں چور ہوکر ساری دنیا کو یرغمال بنا کے رکھا تھا۔

درحقیقت اقبالؒ کو مسلم مفکرین میں اس لحاظ سے نہایت ممتاز مقام حاصل ہے کہ انھیں بیسویں صدی کے آغاز سے ہی مغربی تہذیبی اور سیاسی خلفشار اور استعماری رویئے کا تنقیدی جائزہ لینے کا نہ صرف موقع ملا بلکہ اس میں انھیں ایسے محرکات نظر آئے جو ایک طرف اقوام مشرق کے لئے تباہ کن تھے تو دوسری جانب خود مغربی تہذیب و تمدن کی modern word stands in need of تباہی کی طرف واضح اشارات دیتے تھے۔ اس حقیقت کا ادراک بھی اقبال کو اپنے پہلے سفر یورپ کے دوران ہی ہوگیا تھا۔ اپنے آخری سفر یورپ کے زمانے اور وفات تک انھیں مغرب کے استحصال، مادی ہوس نام و نمود اور حُبِ جاہ کے نتائج کا مشاہدہ کرنے کا بخوبی موقع ملا۔ مغرب کی اس پراگندہ معاشرت کو دیکھ انھوں نے اُسی دور میں انھیں للکار کر یہ پیشن گوئی کی کہ تھی۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا [۲]

اقبالؒ کو اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد یورپ سے واپس آئے ہوئے ابھی سات سال سے بھی کم عرصہ گذرا تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن کا خود اپنے ہاتھوں سے خودکشی کرنے کا عمل شروع ہو گیا یعنی ۱۹۱۴ء میں یورپی اقوام کے مابین جنگ عظیم اوّل چھڑ گئی۔ اُن کے عمیق مطالعہ کے مطابق اس جنگ کی بنیادی وجوہات خود مغربی معاشرہ اور تمدن کے خمیر میں دریافت کیا جاسکتا ہے۔ اُن کے نزدیک اُس کی ایک بہت بڑی وجہ حکومت اور مذہب کی جُدائی کا تصور ہے۔ اسی وجہ سے ہوس پرستی اور مطلق العنانیت میں یورپ اس حد تک شرابور ہوا کہ اس نظامِ حیات میں روحِ اخلاق سرے سے ہی مفقود ہو گیا اور اس کا رُخ دہریانہ مادّیت کی طرف مڑ گیا۔ اور اقبالؒ نے اس تصورِ دین ودنیا کی جُدائی پر یوں اظہارِ خیال کیا۔

ہوئی دین دنیا میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دین کیلئے نامرادی
دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے اک صحرانشیں کا
بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جُنیدی و اردشیری سے

بہرکیف علامہ اقبالؒ اپنے عمیق تاریخی مطالعہ اور تہذیبی شعور کی بدولت بالآخر اس نتیجے پر پہنچ چکے کہ بیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کا یورپ نہ صرف کسی نئے جاندار عالمی نظام حیات کو جنم دینے کی صلاحیت رکھنے سے محروم ہو چکا ہے بلکہ خود اس کی اپنی اجتماعی قدروں values کا داخلی انتشار اسی حقیقت کی غمازی کر رہا تھا کہ یہ خود ساختہ انسانی نظام بھی عنقریب درہم برہم ہو کر رہے گا۔ اقبال بچشم خود اس حقیقت کا اُس وقت بھی یہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ اسی نظامِ دہریت کی وجہ سے فرد اور معاشرہ دونوں شدید ذہنی پراگندگی اور مایوسی کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسلئے اُن کے نزدیک اس وقت دنیا کو حیاتیاتی اعتبار سے زندہ ہونے کی ضرورت ہے۔ لیکن یورپ کا نظام حیات جو خود شکست خوردگی کا شکار ہے، دنیا کو دوبارہ زندہ کرنے کی سکت اور صلاحیت سے بالکل قاصر ہے۔ اسی لئے انھوں نے یورپ کی پہلی عالمگیر جنگ کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی ایک اہم تقریر میں انکشاف کیا تھا کہ۔

"میں نے آج سے پچیس برس بیشتر اس تہذیب کی خرابیاں دیکھی تھیں تو اس کے انجام کے متعلق پیشن گوئیاں کی تھیں۔ اگرچہ میں خود بھی ان کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔ یہ ۱۹۰۷ء کی بات ہے۔ اس سے چھ سال بعد یعنی ۱۹۱۴ء میں میری یہ پیش گوئیاں حرف بحرف پوری ہو گئیں"۔ علامہ اقبالؒ کے دور حیات میں ہی اقوام مغرب نے جمعیت اقوام کی داغ بیل ڈالی اور اسے اس طرح تشکیل دیا کہ اس میں بظاہر اقوام مشرق کو بھی نمائندگی دی گئی۔ مگر جہاں تک اس بین الاقوامی ادارے کے مقاصد کا تعلق تھا، یہ ظاہراً

تو غیر جانبدار (Impartial) طریقے پر امن عالم اور اتحاد و عالم انسانیت اور عائم انصاف کی دہائی دینے والا ادارہ تو تھا لیکن اس بظاہر غیر جانبدارانہ انداز میں مغربی اقوام نے ایشائی وافریقی اور بعض یورپی غریب قوموں کے ساتھ امتیازی اور ظالمانہ رویئے جاری رکھے۔ انھوں نے اس کے ضمیر کو بیدار ہونے نہیں دیا حالانکہ ان قوموں نے بظاہر تخفیف اسلحہ کی قرار دادیں تک منظور کیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے لئے اسلحہ کے انبار بھی لگا دیئے۔ علامہ اقبالؒ نے اُسی دور میں بھانپ لیا کہ جمعیت دراصل ایمان ویقین کی دولت سے عاری ہے اور اس کی اساس سراسر مادیت، خود غرضی اور مطلق العنانیت کے مکروہ عزائم پر رکھی گئی ہے اس لئے کامیابی اس کے نصیب میں ہرگز نہیں۔ لہٰذا انہوں نے مشرق کو اس کے ان جارح عزائم سے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ مغربی عظیم طاقتوں کا یہ اتحاد صرف اور صرف کمزور قوموں کی تباہی اور اُن کی بندر بانٹ چاہتا ہے۔ چنانچہ اقبالؒ نے اس لئے ''پیام مشرق'' میں استعماری قوتوں کا بنایا ہو یہ نام نہاد عالمی اتحادی فقرم یا لیگ آف نیشنز فتنہ گروں ناور قفن چوروں کی جماعت قرار دیتے ہوئے کہا کہ۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند ۴؎

یعنی میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ چند کفن چوروں نے مل کر مردوں کے کفن اتار کر بیچنے کی غرض سے قبروں کی تقسیم کے لئے ایک انجمن بنائی ہے یعنی ان افریقی اور ایشیائی قوموں کا خون چوسنے والی طاقتور یورپی اقوام نے ان کی رہی سہی دولت اور غیرت کو لوٹنے کے لئے اقوام متحدہ یا جمعیت الاقوام کی خیر خواہی کا لبادہ اوڑھا ہے۔

علامہ اقبال ؒ مسلم حکمرانوں کو بیدار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں اس مغربی استعماری حربے کا عملی مظاہرکرنا چاہئے اور اس کا نعم البدل وہ یوں دیتے ہیں کہ اقوام مشرق کی ایک الگ جمعیت ہونی چاہیے جسکے لئے وہ بطور مرکز تہران کا نام تجویز کرتے ہیں۔ گویا علامہ نے آج سے تقریباً نوے سال قبل جو پیشن گوئی کی تھی کہ ۔

دیکھا ہے ملوکیت افرنگ

ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے

طہران ہوگر عالم مشرق کا جنیوا

شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے! ۵

تو یہ حرف بحرف آج بھی معنی خیز ثابت ہورہی ہے کیونکہ جب ہم اس اعتبار سے دور حاضر کے ایک بڑے مغربی استعمار امریکہ کے موجود عالمی کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ صرف عالمی جارح کا کردار اپنا رہا ہے بلکہ وہ تمام دنیا کی تباہی اور برٗبادی کے سامان بھی اپنے حلیفوں کو عطا کر رہا ہے۔ دور جدید کی سائنسی اور تیکنیکی پیش رفت کے مطابق امریکہ کا متوقع کردار یہ تھا کہ وہ اپنی مستحکم بین الاقوامی ساکھ کی بدولت اخوت، حریت اور مساوات جیسے اعلیٰ اصولوں کی حکمرانی اور بالادستی قائم کرنے کے لئے دنیا کی رہنمائی کا فرض ادا کرتا لیکن اس کا موجودہ کردار نہ صرف ان اصولوں کی بیخ کنی کرنے کا منہ بولتا ثبوت ہے بلکہ وہ خود غرض، لوٹ کھسوٹ اور امیر وغریب میں تمیز روا رکھنے والے جیسے قبیح امتیازات میں مبتلا ہوکر عالم دنیا میں عدل وانصاف کی دھجیاں بکھیر رہا ہے اور اس طرح طاقت کے نشے میں چور ہوکر وہ افغانستان، پاکستان اور عراق میں بے گناہ انسانوں کا قلع قمع کرنے پر تُلا ہوا

ہے۔ اوراب اپنے جارح عزائم تمام عرب دنیا تک پھیلانے میں مصرف عمل ہے۔ ان حالات میں صرف ایران پر اُس کی گرفت ابھی مکمل طور پر اثر انداز نہیں ہو رہی ہے۔ شاید اسی ایرانی قوم کی غربت کو دیکھ کر علامہ اقبالؒ نے مسلم اُمہ کو اُس وقت تہران کو اپنا مرکز قرار دینے کی تجویز پیش کی تھی۔

دراصل عصر حاضر میں امریکہ اپنے قومی فلسفہ کی بنیاد پر تمام دنیا میں اپنا نظامِ حیات نافذ کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوگا، اس کا فیصلہ آنے والے ایام میں ہوگا لیکن ایک بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جو فلسفہ امریکہ میں کسی مستحکم تہذیب، ثقافت یا سیاست کو پروان نہیں چڑھا سکا وہ دنیا کو کیا ثقافت و تہذیب دے سکے گا۔ امریکہ یا کسی اور استعماری قوت کو اگر واقعی امن، سلامتی، عدل و انصاف اور انسانی بھائی چارے کی بنیاد پر کوئی نیا نظام حیات متعارف کرانا ہے تو اُسے اپنی بین الاقوامی حکمت عملی کا رشتہ یقیناً علامہ اقبالؒ کے اسلامی تصورات پر مبنی اصولوں سے جوڑنا ہوگا جس میں عالم انسانیت کے لئے امن، راحت اور اطمعنان کے تمام عناصر موجود ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اسلام اور مسلمانوں کو یہ قوتیں بنیاد پرستی کا طعنہ دے رہیں حالانکہ مسلم امہ میں اس بنیاد پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ مذکورہ بالا استعماری نظام کے مقابلے میں اسلام کا عادلانہ نظام حیات کا تصور پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ نظام اُن اُلوالعزم افراد کے ہاتھوں پروان چڑھ سکتا ہے جو اعلیٰ اسلامی سیرت و کردار سے مزّین ہونے کے علاوہ علم و بصیرت میں یکتائے روزگار ہوں۔ علامہ اقبالؒ کے مطابق جو ملت اُن شرائط کو پورا کردے جو اس شعر میں بیان ہوئی ہیں وہی اس نظام عدل و انصاف کو نافذ کرنے مین

کامیاب ہوں گے یعنی ۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا ۶

اقبالؒ دنیا بھر میں احترام انسانیت کی بحالی کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف کی سربلندی کے آرزومند ہیں۔ احترام آدمیت اور عدل وانصاف کی اعلیٰ روایات کو بحال کرنے سے دنیا بر میں امن وسلامتی کو فروغ حاصل ہوسکتا ہے، اسی لئے اقبالؒ آزادی فکروعمل اور حریت دین کے ہمیشہ علمبردار رہے۔ وہ قوم پرستی اور مذہبی منافرت کے سخت مخالف ہیں۔ وہ دراصل حقیقی طور پر بنی نوؑ انسان کی وحدت کے علمبردار ہیں۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو لاہور ریڈیو سے اپنی ایک تاریخی تقریر میں عالم انسانکیت سے یوں مخاطب ہوئے۔ ’’وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ ہے بنی نوع انسان کی وحدت جو رنگ ونسل وزبان سے بالاتر ہے۔ جب تک اس نام نہاد جمہوریت، اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو مٹایا نہ جائے گا۔ جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کے اصول کا قائل نہ ہوگا۔ اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح وسعادت کی زندگی بسر نہ کر سکے گا۔ اور اخوات، حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندہ تعبیر نہ ہوں گے‘‘ درحقیقت علامہ اقبالؒ خود بھی اس دنیا کی ایک بہت بڑی علمی قوت تھے۔ آپ نے اپنی تمام ادبی اور علمی صلاحیتوں کو احترام انسانیت کی سربلندی کی خاطر وقف رکھی۔ اُن کا یہ شعر انہی جذبات کی عکاسی کرتا ہے ۔

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

اُن کے نزدیک جدید نظامِ حیات کی تشکیل کے لئے انسانیت کو آج تین اوصاف کی اشد ضرورت ہے اس سلسلے میں وہ "Reconstruction" میں بیمار اور پراگندہ انسانی ذہن کے لئے یہ بہترین نسخہ تجویز کرتے ہیں:۔

"Humanity needs three things today a spiritual interpretation of the universe spirtual emencipation of indivadual, and basic principles of a universal amport directing the evolution of human society on a spiritual basis"ے

یعنی اول کائنات کی روحانی تعبیر، دوم فرد کا روحانی استخلاص یعنی ہر قسم کے جبر اور توہم پرستی سے نجات ہے اور سوم، وہ بنیادی اصول جن کی نوعیت عالمگیر ہو اور جن سے انسانی معاشرے کا ارتقا روحانی اساس پر ہو سکے۔

اگرچہ تینوں اصول اساسی طور پر اسلامی نظامِ فکر میں موجود ہیں تاہم علامہ نے جدید ذہن کو براہِ راست اس طرف متوجہ نہیں کرایا بلکہ مغربی فلسفہ دانوں جیسے آئن سٹائن اور برگساں کے نظریات پر غور و فکر کا مشورہ دینے کے بعد دیا تا کہ بلا تعصب مشترکہ انسانی مقاصد کو حاصل کیا جا سکے۔ کائنات کی روحانی تعبیر کے علامہ اقبالؒ جدید عالمی نظام کی نشوونما کے لئے ایک ایسے معاشرے

کے قیام کے آرزومند ہیں جہاں ہر فرد جبر، ظلم، استحصال اور توہم پرستی کے تمام ہتھکنڈوں سے آزاد ہو کر اپنے ضمیر کی آواز پر تسخیرِ کائنات کے ساتھ ساتھ اپنے دینی مشاہدات کی روشنی میں روحانی زندگی کی تکمیل کے عمل میں مصروفِ عمل رہے۔ اس تصورِ حیات کے عملانے سے دنیا میں انسان دوستی، عدل و انصاف اور احتسابِ نفس کا انقلاب بپا ہو گا۔

حواشی

۱۔ ملاحظہ ہو علامہ اقبالؒ کی انگریزی خطبات پر مشتمل کتاب بعنوان:۔

The Reconstntcion of Religious Thought in Islam,pp 188,

pataudi House,Daraya Ganj Delhi 1975.

۲۔ کلیاتِ اقبال، اردو، بانگ درا، ص ۲۱۶، اردو بازار کراچی، ۲۰۰۵ء

۳۔ کلیاتِ اقبال، اردو (بال جبریل) ص ۵۴۵۔

۴۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) ص ۱۹۳۔

۵۔ کلیاتِ اقبال (اردو) (ضرب کلیم) ص ۲۷۷۔

اپنے فارسی مجموعۂ کلام ''زبور عجم'' میں علامہ اقبالؒ قریباً پچپن برس ایرانی مجاہد اعظم متعلق یہ پیشن گوئی فرماتے ہیں کہ۔

می رسد مردے کہ زنجیر غلاماں بشکند
دیدہ ام روزنِ دیوارِ زندانِ شما
حلقہ گرد امن زیندا ے پیکرانِ آبے گل
آتشے در سینہ دارم از نیاگانِ شما!

۶۔ کلیات اقبال اردو، ص ۱۶۳۔

۷۔ خطباتِ اقبال (انگریزی) ص ۱۷۹۔۱۷۸، دریا گنج دہلی ۱۹۷۵ء۔